مہذب مکالمہ

لاتنظر الیٰ من قال وانظر الیٰ ما قال

خلافتِ نبوّت پر مسٹر عبدالحق

اور مسٹر بدر الزّمان خان کا

پولٹیکل اُصول سے

مُہذّب مکالمہ

جس کو بنا بر نفعِ عام

اکرام عظیم (راوی) نے مرتب اور مشتہر کیا

در مطبع مُفیدِ عام واقع لاہور طبع گردید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

کل "صبح" میں ایک قانونی مشورے کی ضرورت سے "مسٹر بدر الزّمان خان" وکیل ہائی کورٹ کے یہاں گیا اور اپنے معاملے کے متعلق گفتگو کرنے لگا۔ مجھ سے اور اُن سے باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک نوجوان جنٹل مین (جن کو میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا) تشریف لائے اور ہال میں داخل ہوتے ہی کہا "سلامٌ علیکم" *

وکیل صاحب۔ و علیکم السّلام۔ "اخاہ" "مسٹر عبدالحق"

ہیں۔ حضرت یا تو علی گڑھ محمڈن کالج میں رات دن ہم اور آپ ایک جگہ رہتے تھے یا ایسی مفارقت ہوئی کہ مُدّت کے بعد آج آپ کو دیکھا۔ کہئے مزاج شریف؟ اب تو شاید آپ ڈپٹی کلکٹر ہیں+

ڈپٹی عبد الحق۔ "جی ہاں" اس زمانے میں بحصول رخصت گھر آیا تو بے اختیار دل چاہا کہ آپ سے ملوں+

وکیل صاحب۔ آپ نے بڑی عنایت کی۔ حضرت مَیں بھی عرصے سے مشتاق ہوں۔ مزید براں "بوجہ خاص" اشتیاق کے ساتھ ایک ضروری تعلق خاطر بھی پیدا ہو گیا ہے+

ڈپٹی صاحب۔ ہاں ہاں وہ "وجہ خاص" کیا ہے

وکیل صاحب۔ جلدی کیا ہے ابھی تو آپ چلے ہی آتے ہیں۔ کسی وقت اطمینان سے وہ

"خاص وجہ" بھی عرض کر دونگا +

ڈپٹی صاحب - اچھّا کچھ تو ارشاد کیجیۓ - مفصل کسی دوسرے وقت فرمائیگا +

وکیل صاحب - "مُسکرا کر" - مختصر یہ کہ عام طور پر خبر مشہور ہو رہی ہے کہ آپ نے اپنا مذہب تبدیل کر ڈالا یعنی سُنّی سے شیعہ ہو گئے - مجھے تو یقین نہ ہوتا تھا - لیکن افسوس ہے کہ اس وقت ملاقات ہوتے ہی کچھ اُس خبر کی تصدیق سی ہو گئی +

ڈپٹی صاحب - ہاں بھائی مَیں ضرور شیعہ ہو گیا ہوں - لیکن ذرا یہ تو فرمائیے کہ اس وقت ملاقات ہوتے ہی آپ کو تصدیق کیونکر ہو گئی ؟

وکیل صاحب - ظاہر ہے کہ اگر آپ اہل سُنّت و جماعت ہوتے تو "سلامُ علیکم" نہ کہتے بلکہ فرماتے

اُلسّلام علیکم" +

ڈپٹی صاحب- خوب آپ تو ماشاء اللہ ایک قابل اور ذی استعداد شخص ہیں- ذرا بتائیے کہ دونوں کے معنوں میں فرق ہی کیا ہے +

وکیل صاحب- معنی میں تو فرق نہیں ہے- لیکن "سلامُ علیکم" کہنا شیعوں کا شعار سمجھا جاتا ہے +

ڈپٹی صاحب- شعار کی بہت ہوئی- "برادر" یہ سب تراشی ہوئی باتیں ہیں اور مانا کہ ایسا ہی ہے تو قباحت کیا ہوئی- بلکہ اگر میں بھی آپ کی طرح غیر ضروری شگوفے چھوڑوں تو کہہ سکتا ہوں کہ "سلامُ علیکم" السّلام علیکم سے زیادہ مستحسن ہے +

وکیل صاحب- یہ کس طرح سے +

ڈپٹی صاحب - اس طرح سے کہ خدا کے کلام سے زیادہ فصیح اور با محاورہ کوئی کلام نہیں اور قرآن میں جہاں جہاں ضرورت ہوئی ہے یوں ہی آیا ہے جیسے "سلامٌ علیٰ نوحٍ فی العالمین"۔ "سلامٌ علیٰ ابراہیم"۔ "سلامٌ علیٰ اِلیاسین"۔ "سلامٌ علی المرسلین"*

وکیل صاحب - مگر اس میں "علیکم" تو نہیں ہے*

ڈپٹی صاحب - اگر مخاطب کے لئے کہا جاتا تو علیکم کہا جاتا - مگر بات تو وُہی ہے - اچھا لیجئے - "سلامٌ علَیکم طِبتُم فادخلوُ ہا خالدین - "سلامٌ علیکمُ ادخُلوُا الجنّۃَ بِما کُنتُم تعملون" - معاف کیجئیگا آپ نے اس کو "شیعوں کا شعار" قرار دیا اس لئے مجھے اتنا بھی کہنا پڑا ورنہ میں تو دونوں طرح صحیح اور مسنون سمجھتا ہوں*

وکیل صاحب - دوست تم نے تو ہتّھے ہی پر

سے کاٹ دیا۔ خیر یہ ایک مذاق تھا۔ اب انشاءاللہ فرصت کے وقت باتیں ہونگی +

ڈپٹی صاحب۔ تو کب +

وکیل صاحب۔ آج ہی مگر بعد مغرب +

ڈپٹی صاحب۔ افسوس مجھے کیا معلوم تھا کہ اس قسم کی بحث پیش آئیگی ورنہ اپنی مفصل یادداشتوں کی کتاب بھی لیتا آتا میرے ساتھ فقط ایک چھوٹی سی نوٹ بک ہے جو معمولاً سفر میں میرے ہمراہ رہا کرتی ہے۔ خیر دیکھا جائیگا +

راوی۔ یہ دلچسپ تقریر سن کر مجھے اپنا کام بھول گیا اور میں نے وکیل صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر کچھ حرج نہ ہو تو میں بھی اُس وقت حاضر ہوں +

وکیل صاحب۔ کچھ حرج نہیں ہے ضرور

تشریف لائیے۔ "صاحب" آپ تو ہمارے دوست ہیں اور جب ہمارے دوست ہیں تو ہمارے دوستوں کے بھی دوست ہیں۔ یہ جواب پاکر میں بہت خوش ہؤا اور رخصت ہوکر گھر چلا آیا ÷

چونکہ بے حد مشتاق ہو رہا تھا۔ دن بھر کسی کام میں دل نہ لگا۔ ہنوز آفتاب بھی تمام و کمال غروب نہ ہؤا تھا کہ مَیں وکیل صاحب کی کوٹھی پر حاضر ہو گیا۔ اور بوجہ اس کے کہ مجھے مذہبی تحقیقات کا ہمیشہ سے خبط تھا اپنے ساتھ دو دستے فلس کیپ کے اور ایک اچھّی سی پنسل بھی لیتا گیا تا کہ دونوں بزرگ جو گفتگو کریں۔ اُس کو من و عن لکھتا جاؤں ÷

غرض کہ جب میں کوٹھی پر پہنچا تو دیکھا کہ

چمن میں کُرسیاں بچھی ہوئی ہیں۔ وکیل صاحب نماز شروع کر چکے تھے اور ڈپٹی صاحب بیٹھے ہوئے وضو کر رہے تھے۔ مَیں پہنچتے ہی وکیل صاحب کے ساتھ نماز میں شریک ہو گیا۔

ہماری نمازیں ہو چکیں تو ڈپٹی صاحب مصلے پر کھڑے ہوئے۔ مَیں وکیل صاحب سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا اتنے میں ڈپٹی صاحب بھی نماز سے فارغ ہو گئے اور وکیل صاحب سے کہنے لگے کہ ہاں حضور اب فرمائیے مَیں کمال مشتاق ہو رہا ہوں۔

وکیل صاحب۔ لیکن میرے "عزیز دوست"؟ آپ تو براہ محبّت خاص مجھ سے ملنے کو آئے پھر کَون سی انسانیّت ہے کہ مَیں آپ سے مباحثہ کروں اور آپ کو اذیّت دوں جانے بھی دیجئے۔

ڈپٹی صاحب - نہیں نہیں بخدا مجھے کوئی اذیّت نہ ہوگی - میری عین تمنّا ہے کہ آپ جو کچھ چاہیں دریافت فرمائیں +

وکیل صاحب - یہ بتائیے کہ آپ نے مذہب شیعہ کیوں پسند کیا +

ڈپٹی صاحب - اور آپ نے مذہب سُنّی کیوں پسند فرمایا +

وکیل صاحب - واہ یہ تو میرے باپ دادے کا مذہب ہے +

ڈپٹی صاحب - اگر باپ دادے ہی کے مذہب کا پابند رہنا اچھّا ہے اور تحقیق کرنا بُرا تو بزرگانِ دین نے پیغمبرؐ صاحب کی باتیں سیکھکر ناحق اپنے باپ دادوں کا دین چھوڑ دیا تھا +

وکیل صاحب - اجی صاف تو یہ ہے کہ مَیں

ٹھیٹھ مسلمان ہوں فقط انتساب کی حیثیّت سے سُنّی سمجھ لیجئے +

ڈپٹی صاحب۔ علےٰ ہذاالقیاس مَیں بھی پکّا اور خالص مسلمان ہوں ۔ شیعیّت محض ایک انتسابی لفظ ہے۔ مگر جناب یہ تو فرمائیے کہ ائمہ اہل بیتؑ کی نسبت آپ کا کیسا خیال ہے +

وکیل صاحب ۔ سُبحان اللہ سُبحان اللہ۔ اِن میں سے ہر صاحب اپنے زمانے میں ہر فضل و مرتبے کی رو سے افضل و اعلےٰ تھے کیا کہنا ہے۔ ارے صاحب یہ بزرگوار اَیسے تھے کہ امام اعظمؓ حضرت ابو حنیفہ اور سفیان ثوری ایسے مجتہدین وقت کو اُن کی شاگردی کا فخر تھا۔ آپ ناواقفیّت سے یہ سمجھتے ہونگے کہ ہم لوگ اُن کو وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے یہی تو آپ لوگوں کی غلط فہمی

ہے - اے حضرت جیسا مقتدر اور معظم اُن کو ہم سمجھتے ہیں آپ نہ سمجھتے ہونگے +

ڈپٹی صاحب - "ماشاء اللہ و جزاکم اللہ" لیکن اگر ایسا ہے تو آپ ہی انصاف کیجئے کہ ہمارے انتساب میں کوئی عیب نہ نکلا بلکہ جن بزرگوں سے ہمارا مذہب منسوب ہے اُن کی آپ نے اس قدر مدح فرمائی کہ اپنے امام اعظم صاحب کو ان کا شاگرد بتایا +

اب رہیں دینیات اور حدیثوں کی کتابیں وہ آپ کے یہاں بھی ہیں اور ہمارے یہاں بھی- اگر آپ اپنے یہاں کی حدیثوں کو قابلِ تسلیم سمجھتے ہیں تو ہم اپنے یہاں کی - نہ آپ پر اُن کی صحت کے بارے میں وحی نازل ہوئی ہے نہ ہم پر - حدّثنا فلاں عن فلاں آپ کے یہاں بھی ہے

ہمارے یہاں بھی-ہاں ہمارے یہاں کی حدیثوں کی اسناد ائمہ اہل بیتؑ کے سلسلے سے ہیں- جن کو ہم ہی نہیں بلکہ آپ بھی اچھّا جانتے ہیں-اور آپ کے یہاں کی حدیثوں کے سلسلے ہیں مروان اور عمران بن حطان ایسے راوی بھی شریک ہیں جن کو آپ خود غیر معتمد سمجھتے ہیں +

یہ بات ہی اور ہے کہ ہمارے یا آپ کے مذہبی فہرست میں رسماً یا عادتاً یا کسی اور وجہ سے بعض زوائدات اور مزخرفات شریک ہوں تو اُس سے نفس مذہب پر اعتراض نہیں ہوسکتا+

وکیل صاحب-مَیں تو محض لا الہ الّا اللہ کا قائل ہوں-بس-"مَن قال لا الہ الّا اللہ دخل الجنۃ" +

ڈپٹی صاحب - اور کیا معاذ اللہ میں اس کلمۂ طیبہّ کا قائل نہیں ہوں - بلکہ انصاف کیجئے تو آپ سے بہتر قائل ہوں +

وکیل صاحب - یہ بہتر قائل ہونا چہ معنی دارد +

ڈپٹی صاحب - آپ اپنے یہاں کی توحید دیکھئے اور ہمارے یہاں کی توحید دیکھئے +

آپ کے یہاں صفات باری تعالےٰ کی یہ شان رکھی گئی ہے کہ قیامت کو خدائے تعالےٰ دو بار صورت بدل بدل کر بندوں کے پاس آئیگا - اپنی پنڈلی کھولیگا - اور ہر شب جمعہ پہلے آسمان پر اُتر آتا ہے - ہمارے یہاں اس قسم کے قبائح اور حوادث سے ذات واجب الوجود کو منزہ جانتے ہیں - اُس کے صفات کو عین ذات سمجھتے ہیں - اور خوشی کی بات ہے کہ ڈاکٹر

سرسیّد نے بھی اِسی عقیدے کو صحیح سمجھا ہے۔
(نوٹ ٹک دیکھ کر) جیسا کہ تہذیب الاخلاق میں
فرماتے ہیں کہ صفات باری کی نسبت تین
مذہب مسلمانوں میں قدیم سے چلے آتے ہیں۔
ایک یہ کہ صفات باری عین ذات ہیں۔ دوسرے
یہ کہ غیر ذات ہیں۔ تیسرے یہ کہ نہ عین ہیں
نہ غیر ہیں۔ مَیں مذہب اوّل کو صحیح سمجھتا ہوں +
پھر اسی کتاب میں فرماتے ہیں" کہ بلا شبہ
مَیں ذات و صفات باری کی عینیّت کا قائل
ہوں" +

وکیل صاحب۔ اس بحث کو زیادہ طول نہ دیجیے
کیونکہ میں اس میں بالکل آپ سے اتفاق رکھتا
ہوں +

ڈپٹی صاحب۔ تو پھر آپ ہی انصاف کیجیے

کہ لا الٰہ الّا اللہ کے شیعہ بہتر قائل ہیں یا سُنّی ؛

وکیل صاحب۔ ہنس کر۔ یہ سب صحیح مگر آپ لوگوں نے خلافت اور امامت کے مسئلے میں کچھ ایسی اُدھم مچا دی ہے کہ عقلا سُن کے ہنستے ہیں۔ آپ امامت کو مثل نبوّت کے منصوص من اللہ سمجھتے ہیں۔ اماموں کو مثل نبیؐ کے معصوم جانتے ہیں۔ حضرت علیؑ کو خلیفہ بلا فصل کہتے ہیں۔ معاذ اللہ۔ معاذ اللہ کس قدر فاسد عقیدہ ہے ؛

در اصل خلافت و امامت نہ منصوص من اللہ ہے نہ رسُولؐ نے کسی کو اپنا خلیفہ کیا بلکہ خلافت اور امامت پولٹیکل طور پر ایک جمہوری سلطنت تھی جو اجماع امت سے قائم ہوئی (تا کہ اسلام کو تنزّل نہ ہو) ؛

"ہاں" قبل اس کے کہ آپ کچھ کہیں میں یہ
عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ چونکہ میرا روئے سخن
محض پولٹیکل اصول اور معقولات کی جانب ہے
لہٰذا براہ عنایت مذہبی کتب اور حدیثی واقعات
سے قطع نظر کرکے فقط اصول سیاست اور پولٹیشن
لوگوں کے رایوں سے بحث کیجئے بندہ کٹھ ملاؤں
کی کھینچ تان میں نہیں پڑتا- اس قسم کی مذہبی
کتابوں سے مَیں بدظن ہوگیا ہوں جو فی الواقع
خیالات کو خراب کر دیں اور معاف کیجئے غالباً
اسی قسم کی کتابوں نے آپ کو بھی ڈانواں ڈول
کر دیا *

ڈپٹی صاحب- مَیں تو دینی اور مذہبی کتابوں
سے بدظن نہیں ہوں- ہاں دیکھنے کے لئے عقل
سلیم چاہئے- مگر بہر کیف آپ کے ارشاد کی تعمیل

کرونگا۔ مجھے تو خود بھی تحقیق منظور ہے اور حق بات میں تعصّب اختیار کرنے کو میں بُرا سمجھتا ہوں ❖

وکیل صاحب۔ مَیں آپ کی اس منصف مزاجی اور معقول پسندی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ہاں اب فرمائیے ❖

ڈپٹی صاحب۔ آپ نے یہی ارشاد کیا تھا نہ کہ پیغمبرؐ صاحب نے کسی کو اپنا خلیفہ نہیں کیا۔ بلکہ خلافت اجماع امت سے قائم ہوئی اور اُس کا طرز انعقاد جمہوری تھا"۔ لیکن مَیں کہتا ہوں کہ دُنیا میں کوئی متوسط عقل کا آدمی بھی تسلیم نہیں کرسکتا کہ جس تھوڑی ساعت میں حضرت ابوبکر تخت نشین کردئے گئے اُس میں آرائے جمہور کا مجتمع ہونا کسی طرح ممکن تھا۔

کسی چھوٹے گاؤں یا قصبے کا مختص المقامی
معاملہ ہو تو اُس گاؤں یا قصبے کے لوگ البتہ
اکھٹے ہو سکتے ہیں۔ مگر وہ بھی کسی قدر تکلف
اور توقف کے بعد +

لیکن جب کہ پیغمبرؐ خدا نے دنیا سے رحلت
فرمائی تھی اُس وقت اسلام کا دائرہ شہر مدینہ
ہی تک محدود نہ تھا بلکہ دیگر "ممالک اور بلاد
سے قطع نظر کرکے" کم از کم کل حجاز کو اسلام
کا دعوے ضرور تھا اور کل حجاز کے لئے خلیفہ
یا امام کی حاجت تھی۔ لہٰذا آپ کا یہ فرمانا کہ
خلافت جمہور کی رائے سے منعقد ہوئی۔ "خلاف
قیاس" بھی ہے اور "خلاف واقع" بھی۔ خلاف
قیاس تو یوں ہے کہ اس ضیق وقت میں جمہور
یا اُن کے وکلا ہرگز مجتمع نہیں ہو سکتے تھے اور

خلاف واقع اس وجہ سے کہ بنی ہاشم تک انعقاد بیعت کے جلسے میں شریک و موجود نہ تھے +

سقیفۂ بنی ساعدہ میں جب حضرت عمر نے اپنی تجویز حضرت ابوبکر کی نسبت پیش کی تو معدودے چند اشخاص جمع تھے اور معدودے چند کی رائے جمہور کی رائے نہیں کہی جا سکتی۔گو "وہ صحیح بھی مان لی جائے"۔خصوصاً جس حالت میں کہ ایک ایسے خاص اور بڑے قبیلے کے لوگ شریک نہ ہوں جو خود نبی صلعم کا قبیلہ تھا۔ "یعنی بنی ہاشم" +

آپ کہینگے کہ عجلت میں اُس وقت تمام مسلمانوں کا یا اُن کے وکلاء کا مجتمع ہونا محال تھا۔اس سبب سے وُہی جماعت جمہور کہلائی گئی جو اُس وقت سقیفۂ بنی ساعدہ میں موجود تھی +

لیکن کیا بنی ہاشم کا انتظار ممکن نہ تھا اور کیا وہ رائے دینے کے مستحق نہ تھے - "بالخصوص حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کہ جن کو پیغمبرؐ سے قرابت قریبہ اور خصوصیّت خاصہ حاصل تھی"- اس کا جواب آپ یہی دینگے کہ اُن لوگوں کی تجویز پر ہم کو اعتراض کا حق نہیں ہے-مگر یہ بات ہرگز تسلّی کے قابل نہیں ہے - اور کبھی وقعت سے نہیں دیکھی جا سکتی ہے -.جب یہ مان لیا جائے کہ خلافت کا انعقاد جمہوری تھا- کیونکہ اس صورت میں سب لوگ اُس کے صحت اور سُقم پر غور کرنے اور حکم لگانے کا استحقاق رکھتے ہیں +

کوئی عاقل اور ذی علم نہیں سمجھ سکتا کہ آخر اہل سقیفہ نے کن اصول مسلمہ کی بنیاد پر اپنی

راے قائم کی تھی +

آیا۔ پیغمبرؐ خدا کے بعد قبیلۂ بنی ہاشم کے سردار حضرت ابوبکر تھے ؟

آیا۔ رسُولؐ خدا کے نزدیک بہ نسبت حضرت علیؓ کے حضرت ابوبکر زیادہ محبُوب اور برگزیدہ تھے +

آیا حضرت ابوبکر کے کارہاے نمایاں رسُولؐ اور اسلام کے ساتھ حضرت علیؓ سے زیادہ تھے ؟

اگر منصفانہ غور و لحاظ کیجیۓ تو متفق علیہ اخبار اور تواریخ کی رو سے کوئی بات صحیح نہیں ہو سکتی +

ہٹ دھرمی اور عصبیت کی بات اور ہے۔ لیکن سنجیدگی اور انصاف سے دیکھیۓ تو ہر طرح اور ہر اعتبار سے حضرت علیؑ ہی کے استحقاق کا پلہ بھاری تھا +

۱- بعد وفات پیغمبرؐ خدا حضرت علیؑ ہی اُس قبیلے کے سردار تھے- جس میں پیغمبرؐ پیدا ہوئے اور نبوّت اُتری ۔

۲- پیغمبرؐ صاحب کی محبّت علیؑ سے ایسی اظہر من الشمس ہے کہ "شیعہ سُنّی درکنار" کوئی غیر مسلم فرقہ "جو خود مؤرّخ ہو یا تاریخ دانی کا دعوےٰ رکھتا ہو" انکار نہیں کرسکتا ۔

۳- علیؑ ہی ہجرت کی نازک حالت اور خطرناک وقت میں رسُولؐ کے ارشاد کے موافق اُن کی جگہ ٹھیرے تھے- گو آپ لوگ اِس موقع پر حضرت ابوبکرؓ کا رسُولؐ خدا کے ہمراہ چلے جانے کو حضرت علیؓ کی بہادری پر ترجیح دیتے ہیں- مگر فی الحقیقت "ترجیح درکنار" علیؑ کی ثابت قدمی سے حضرت ابوبکر کی ہمسفری کو نسبت ہی

نہیں ہے +
انصاف کے نزدیک تو علیؑ کے پیچھے رہ جانے سے حضرت ابوبکر کی ہمراہی فقط آسان ہی نہیں بلکہ غنیمت بھی تھی۔ لیکن آپ کی خاطر سے حد درجے کی مہذّب مثال اس سے زیادہ نہیں ہو سکتی کہ حضرت ابوبکر اور حضرت علیؑ کی خدمتوں میں غایۃ ما فی الباب وہ فرق تھا جو ایک کارپرداز سفر سلطانی اور ایک جاں نثار نائبُ السلطنت کے خدمات میں ہوتا ہے +. مصرعہ

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

جب مسلمان سب کے سب مدینے کو چل دئے یا چلے جا رہے تھے۔ اُس وقت علیؑ کی خواہش کیوں نہ ہوئی ہو گی کہ وہ بھی چلے جائیں۔ لیکن اُنہوں نے پیغمبرؐ صاحب کی اطاعت اور اپنی

جاں نثاری کو اُس خواہش پر مقدم رکھا +
پیغمبرؐ صاحب کے پوشیدہ طور پر روانہ ہونے سے ثابت ہوتا ہے۔کہ عموماً پیچھے رہ جانے میں اور "خصوصاً آں حضرتؐ کے بستر مقدس پر حضرتؐ ہی کی چادر اوڑھ کر موجود رہنے میں" خطرۂ عظیم تھا۔ یہ خطرہ کچھ تھوڑا نہیں تھا کہ اعدا مغالطے سے علیؑ ہی کو قتل کر ڈالتے اور دھوکے سے نہ قتل کرتے تو اُن کی وجہ سے اپنی ناکامی کا سارا انتقام اُنہیں سے لیتے +
لیکن فے الواقع حضرت علیؑ نے مُطلق اپنی جان کی پروا نہ کی۔ چنانچہ اس بیمثل بہادری کا اعتراف غیر قوموں کے مُؤرّخین نے بھی بشد و مد کیا ہے +

۴۔ بدر۔ اُحد۔ خندق۔ خیبر۔ حنین وغیرہ تمام

معارک جنگ علیؑ ہی کے ہاتھ سے فتح ہوئے
اور ہر لڑائی میں اُنہیں کی جوانمردی کا نشان
بلند رہا۔ حضرت ابوبکر نے کسی ایک معرکہ میں
بھی کوئی کار نمایاں نہیں کیا جس کا تاریخ
کے صفحات میں کہیں ذکر ہو ٭

۵۔ حضرت علیؑ کو رسولؐ اللہ نے بچّوں کی
طرح پالا اور بعد بعثت اُس وقت بھی جبکہ
دعوت اسلام بالاعلان شروع نہیں ہوئی۔
حضرت علیؑ ہی پیغمبرؐ صاحب کے رفیق اور ہمراز تھے٭

۶۔ خصوصیّت خاصہ کے ساتھ سیّدۃ النسا
فاطمہؑ کا عقد حضرت علیؑ ہی کے ساتھ ہوا اور
حضرت ابوبکر کی درخواست اس بارے میں
قبول نہ کی گئی ٭

۷۔ پیغمبرؐ صاحب کی تمام ذریّت علیؑ مرتضےٰ

سے ہے اور مشیّت ایزدی نے رسُولؐ کے نسل
پاک کا ذریعہ علیؑ کو گردانا تھا۔ چنانچہ علیؑ ہی
کی اولاد رسُولؐ اللہ کی اولاد کہلاتی ہے +

اگر کتب مذہبی سے استدلال اور بحث کرنے کا
مجھے موقع دیا جاتا تو میں محض برادران اہل سنّت
و جماعت ہی کی مسلّمہ اور معتبرہ کتابوں سے
ثابت کر دیتا اور دکھا دیتا کہ رسُولؐ اللہ کے
ساتھ حضرت علیؑ کے خصوصیّات اور مماثلات
کس قدر ہیں اور علیؑ کی بہادری۔ جاں نثاری
اور فضائل کا ثبوت کتنا ہے۔ تاہم میں اپنے
معزز مخاطب کے کانشنس کو "منصف" اور معلومات
کی دنیا کو گواہ قرار دے کر کہہ سکتا ہوں کہ
حضرت علیؑ کے علم۔ فضل۔ خصائص اور ہر
طرح کے مرتبے کو حضرت ابُوبکر کے صفاتِ مسلّمہ

پر بلاشبہ عظیمُ الشّان فوقیّت ہے ✤
(نوٹ بُک دیکھ کر) لائق اور مُنصف مزاج مولوی احسان اللہ صاحب عباسی (وکیل گورکھپور) نے کتاب تاریخ الاسلام میں بہت ہی صحیح اور منصفانہ لکھا ہے کہ ✤

ہوش سنبھالنے کے بعد علیؑ سے ایسے ایسے نمایاں کام ہوئے اور اشاعت اسلام میں ایسی کچھ مدد ملی کہ آں حضرتؐ کے نزدیک یہ بہت ہی زیادہ ممتاز اور پیارے تھے۔ جو خونی تعلق آں حضرتؐ کو اُن کے ساتھ تھا۔ اُس سے قطع نظر کرکے دیکھئے۔ جب بھی مسلمانوں کی جماعت میں علیؑ سے زیادہ کوئی دوسرا ہمہ صفت موصوف نہ تھا۔ شجاعت۔ تہوّر۔ راستی۔

اِتّقا - دانشمندی - سخاوت - توکل - اسلام
کے جاں نثار محمد (صلعم) پر جان
قربان کرنے والے - جس پہلو سے دیکھو
یہ شخص اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا - اُن کو
پیغمبری کا درجہ نہیں ملا - ورنہ ہاروں
نے موسےٰ کے ساتھ اتنا نہیں کیا جتنا
علیؑ نے محمد (صلعم) کے ساتھ کیا - انگریزی
مُؤرّخ بھی اس ہیرو یعنی مرد میدان
کے از حد مدّاح ہیں" +

مَیں اپنے معزز مخاطب کو مسیحی نامور مورخین
کے تحقیقات کی جانب بھی توجہ دلانا چاہتا ہوں
اور اس موقع پر اپنے دعوے کے اثبات میں
جلیل القدر کتاب "انسایکلوپیڈیا" کے بعض
مطالب (جن کا انتخاب میری نوٹ بک میں

موجود ہے) سُناتا ہوں کتاب موصوف میں
لکھتے ہیں کہ

Ali, the fourth in order of the Caliphs, or successors of Mohammad, was born at Mecca about the year 600 A.D.

His father, Abu Taleb, was an uncle of the Prophet.

And Ali himself was adopted by Mohammad and educated under his care. While he was still a mere

"علیؑ" (محمدؐ صاحب
کے خلفا میں "ترتیباً" چوتھے
خلیفہ) تقریباً سنہ ۶۰۰ء
میں بمقام مکّہ پیدا ہوئے÷
اُن کے باپ ابوطالب
پیغمبرؐ صاحب کے چچا تھے÷
محمدؐ صاحب نے علیؑ
کو گود لیا یعنی متبنےٰ کیا
اور اپنے ہی زیر تعلیم
و تربیت رکھا تھا ÷
علیؑ لڑکپن ہی میں
اوّل وہ شخص تھے

boy, he distinguished himself by being the first to declare his adhesion to the cause of Mohammad, who in return made him his vicegerent, and some years after gave him his daughter Fatima in marriage.

Ali proved himself to be a brave and faithful soldier, and when Mohamet died with-

جنھوں نے پیغمبرؐ صاحب کی غرض اور غایت کی اعانت ونصرت میں ناموری حاصل کی۔ جس کے عوض میں پیغمبرؐ صاحب نے علیؑ کو اپنا جانشین کیا۔ اور چند سال کے بعد اپنی دختر فاطمہؑ کا عقد نکاح علیؑ کے ساتھ کر دیا +

علیؑ نے اپنے تئیں ایک بہادر اور وفادار سپاہی ثابت کر دکھایا جب محمدؐ صاحب نے

out male issue, he seemed to have the best claims to become the recognised head of Islamism. Three other companions of Mohammad, however, Abu-Baker, Omer, and 'Uthman, occupied this position before him, and it was not until 656, after the murder of 'Uthman, that he assumed the title of Caliph.

Almost the first act of his reign was the

بلا کسی اولاد ذکور کے
انتقال فرمایا تو علیؑ میں
مذہب اسلام کے
مسلم الثبوت سردار ہونے
کے حقوق معلوم ہوتے
تھے - لیکن تین دوسرے
اصحاب - ابوبکر - عمر اور
عثمان نے قبل ازیں
بہر صورت جائے خلافت
پر قبضہ کر لیا اور علیؑ
مُلقّب بخلیفہ نہ ہوئے
مگر بعدِ عثمان ۶۵۶ء میں"
سب سے پہلا کام
علیؑ کے عہد خلافت

suppression of a rebellion under Talha and Zobier, who were instigated by Ayesha, the widow of Mohammad, a bitter enemy of Ali, and hitherto one of the chief hindrances to his advancement to the Caliphate.

Ali is described as a bold, noble, and generous man, "the last and worthiest of the primitive Muslims, who imbibed his religious enthusiasm

میں طلحہ اور زبیر کی بغاوت کا فرو کرنا تھا۔ جنہیں (بی بی) عائشہ نے بہکایا تھا +

عائشہ علیؑ کی سخت دشمن تھیں اور خاص اُنہیں کی وجہ سے علیؑ اب تک خلیفہ نہ ہوسکے تھے +

علیؑ ایک بہادر۔ شریف۔سخی اور سابقین میں مذکور ہیں اور اُن سب میں لائق ترین اب فقط علیؑ ہی تھے

from companionship with the Prophet himself, and who followed to the last the simplicity of his example."

He was also remarkable for learning and wisdom, and there are still extant collections of proverbs, verses, &c., which bear his name, especially the sentences of Ali, an English translation of which by W. Yule was published at Edinburgh in 1832.

جو کہ خود پیغمبر صاحب کی صحبت سے جوش مذہبی حاصل کر کے آخر عمر تک آں حضرت کے سادہ مثال کی پیروی کرتے رہے ؛

علیؓ علم اور عقل میں مشہور تھے - اور اب تک کچھ مجموعے ضرب الامثال اور اشعار کے اُن سے منسوب ہیں خصوصاً مقالات علیؓ جس کا انگریزی ترجمہ ولیم یول نے ۱۸۳۲ء

میں بمقام اڈنبرا شائع کرایا ہے۔	(Encyclopaedia) Britannica.

بہرکیف کسی محقق انصاف پسند کے نزدیک کسی طرح حضرت علیؑ اور حضرت ابوبکر میں موازنہ نہیں ہوسکتا - اور اگر علیؑ کے وصی ہونے کے آپ قائل نہ ہوں تب بھی بلاشک اقبال کرسکتے ہیں کہ پیغمبرؐ صاحب کی قائمقامی کو علیؑ کے صفات ہی وصی ہونے کے قائم مقام تھی ✤

آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ میری تقریر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے اور میرے معروض کا یہ منشا ہے کہ حضرت ابوبکر کی خلافت بغیر کسی اصل اور قاعدے کے تجویز ہوئی اور اُن کی بیعت کا فعل صائب نہ تھا ✤

تمام علماے اہل سنّت قائل ہیں کہ حضرت
ابوبکر کی بیعت "فلتۃً" یعنی بہت ہی عجلت میں
بے سمجھے بوجھے واقع ہوئی - لہذا اُس عجلت
میں جو کچھ ہُوا وہ فے الواقع دور اندیشے سے
کوسوں دور تھا - عجلت بھی ایسی کہ رسولؐ اللہ
کی تجہیز و تکفین تک کا انتظار نہ کیا گیا اور
بنی ہاشم کو شریک مشورہ کرنے کا ضروری
لحاظ بالاے طاق رکھا گیا اس بیجا عجلت
کی بدولت چند باتیں ایسی وقوع پذیر ہوئیں
کہ اسلام کو بہت جلد تنزل کا مُنہ دیکھنا
پڑا اور وہ تنزّل یوماً فیوماً ترقی پذیر ہوتا گیا
اوّل یہ کہ عموماً بنی ہاشم اور خصوصا خاندانِ
رسالت کی وقعت مطلقاً لوگوں کی نگاہوں سے
مفقود ہوگئی اور سارا لحاظ پیغمبرؐ صاحب

کا رفت و گذشت ہو گیا حتّٰی کہ مُسلمانوں کی ایک کثیر جماعت نے (جس میں رسولؐ کے دیکھنے والے بھی موجود تھے) رسولؐ کے نواسے کو نہایت ظلم و ستم کے ساتھ قتل کر ڈالا نوٹ ٹک دیکھ کر) جناب مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی رویاے صادقہ میں لکھتے ہیں کہ

سخت افسوس کی بات ہے کہ اہل بَیت نبویؐ کو پیغمبرؐ صاحب کی وفات کے بعد ہی ایسے ناملائم اتفاقات پیش آئے کہ اُن کا وہ ادب و لحاظ جو ہونا چاہئے تھا۔ اُس میں ضعف آگیا اور شدہ شدہ منجر ہؤا اُس ناقابل برداشت واقع کربلا کی طرف جس کی نظیر تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔ وہ ایسی نالائق حرکت مسلمانوں

سے ہوئی کہ اگر سچ پوچھو تو دنیا میں مُنہ
دکھانے کے قابل نہیں رہے ÷
دوسرے یہ کہ بنی اُمیّہ جو "فتح مکّہ تک" بالکل
پس پا ہوگئے تھے - اُن کی قوت نے پھر عَود
کیا اور اسلام میں خانہ جنگیاں شروع ہوگئیں ÷
تیسرے یہ کہ خلافت کا ایسا شیرازہ ٹوٹا ایسا
کینڈا بگڑا اَور خلیفہ ہونے کے لئے ایسی آسانی
ہوگئی کہ "جس کی لاٹھی اُس کی بھینس" جس کو
قوت ہوئی خلیفہ رسول ؐ ہوگیا - مردان کو دیکھئے -
یزید بِن معاویہ کو ملاحظہ فرمائیے تو معلوم ہوتا
ہے کہ کیسے کیسے با صفات لوگ امیرُالمؤمنین
اور وارث مسند نبوّت بن بیٹھے - تمام سلاطین
امویہ اور عبّاسیہ نے اسی خلافت کے بھروپ
میں اپنا رنگ جمایا اور آئے دن دنیا کے حریص لوگ

خلافت کے سانچے میں ڈھلنے لگے - پھر کیا تھا سلسلہ شروع ہؤا تو نت نئے بزرگوار اشاعت اسلام کے حیلے سے لوٹ مار کرنے لگے - آج محمود غزنوی نے تو کل شہاب الدین غوری نے جھوٹی اور مصنوعی جہاد کی ٹٹیاں بنا کر اُس کی آڑ میں شکار کھیلنا شروع کر دیا اور اس قسم کے حملے کئے جو منشاے شارع علیہ السّلام کے مطلقاً خلاف تھے +

پس جب خلافت اور امامت کا استحقاق بروے حکمت عملی اور بزور شمشیر طے پایا تو بجاے قومی اتحاد کے آپس میں عداوتوں کا زہر پھیلنے لگا - اور افسوس صد افسوس کہ اسی بد نظمی نے اسلام کے صاف و شفّاف دامن پر ” بزور شمشیر شائع ہونے کا دھبّہ لگایا +

مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی اپنے لکچر
(فطرۃ اللہ) میں بہت ہی صحیح فرماتے ہیں ؛
کہ اگر اسلام اُس کے اصلی پیرائے
میں پیش کیا گیا ہوتا تو لوگوں نے
ہاتھوں ہاتھ اسلام کو لیا ہوتا مگر دُنیا
کی بد نصیبی سے وہ پیش کیا گیا غارتگری
اور خونریزی کے پیرائے میں پیش کیا
گیا۔عذاب اور مصیبت کے پیرائے میں
اور پیش کرنے والے کون ۔ دُنیا کے
بادشاہ ۔ جاہ و ثروت کے فریفتہ ۔
ملک گیری کے حریص ۔پس لوگ اسلام
کی ڈرانی صورت سے لگے بھاگنے" ؛
یہ ظاہر ہے کہ قبل از اسلام عرب کے
قبیلوں میں کبھی اتفاق نہ تھا۔خود حجاز میں

بھی بنی ہاشم اور بنی امیّہ کے دو بڑے اور سر برآوردہ قبیلے تھے اور ایّام جاہلیت میں اُن کا باہمی مقابلہ قریباً مساوی تھا *

جب نبی صلعم مبعوث ہوئے اور اسلام شائع ہونے لگا تو سوا ابو لہب اور عباس کے تمام بنی ہاشم پیغمبرؐ صاحب کے مطیع ہوئے اور بالآخر حضرت عبّاس بھی موافقین میں سے ہوگئے۔ فقط ایک ابولہب ہی مخالف رہا۔لیکن بنی امیّہ پیغمبرؐ صاحب کا ابتدا سے آخر تک برابر مقابلہ کرتے رہے۔گو بعضوں نے اسلام قبول کیا۔مگر موقع اور مصلحت پر نظر کرکے اور ابو سُفیان نے تو اُس وقت اسلام لانے کا اظہار کیا جب امویوں کی پولٹیکل قوت کا ایوان بالکل منہدم ہو چکا تھا *

جب اسلام مقبولِ خاص و عام ہو کر پھیلا
تو بنی ہاشم کی قوت بڑھ گئی اور پیغمبرؐ صاحب
کی وفات تک بنی اُمیّہ کی قوت بالکل زائل
ہو گئی۔ جو اتّحاد عربوں کو کسی زمانے میں
حاصل نہ تھا۔ وہ اسلام کی دولت سے حاصل
ہوا۔ اور اگر دور اندیشی سے کام لیا جاتا تو
یہ دولت برابر قائم رہتی +

پیغمبرؐ صاحب کے بعد پولٹیکل انتظام ایسا
ہونا چاہیئے تھا۔ کہ بنی ہاشم بڑھے کے بڑھے
رہتے اور بنی اُمیّہ دبے کے دبے لیکن افسوس
ہے کہ ایسا ہونا تو ایک طرف "حضرات خُلفاے
ثلاثہ کے وقت میں" بنی ہاشم کا ایک پُتلا بھی
کسی اعلےٰ عہدے یا ادنےٰ نوکری تک پر
نہ مقرر کیا گیا بخلاف اِس کے بنی اُمیّہ عہدہاے

جلیلہ پر مامور ہوتے رہے اور عنانِ حکومت سے اُن کے ہاتھ آشنا ہونے لگے ✣

ظاہر ہے کہ خانہ جنگی کے لئے دو برابر اور حریفانہ فریق کا ہونا ضرور ہے۔ پس جب بنی اُمیّہ کی قوت ٹوٹ گئی تھی تو انتظام ایسا ہوتا کہ وہ پھر اپنی منتشر حالت کو مجتمع نہ کرسکیں اور خلیفۂ وقت یا سلطنت اسلام کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لائق نہ ہونے پائیں۔ مگر بدقسمتی سے معاملہ برعکس ہوًا ✣

خلافت ثلاثہ پچیسؔ۲۵ برس تک رہی اور اس پچیسؔ۲۵ برس میں بنی اُمیّہ کو اپنی قوت مجتمع کرنے کا پورا موقع مل گیا ✣

اسلام کے پولٹیکل انتظام میں یہ پہلی خطا تھی کہ علیؑ خلیفۂ اوّل نہ تسلیم کئے گئے اور بنی اُمیّہ

جو پست ہوگئے تھے۔ اُن کو زبردست ہونے کا موقع دیا گیا ❖

دور اندیشی کا مقتضا تھا کہ ان دونو قبیلوں میں سے ایک قبیلہ پست رہتا۔ (بنی ہاشم خواہ بنی اُمیہ) لیکن چونکہ خود رسولؐ عرب قبیلۂ بنی ہاشم سے تھے۔ اس لئے اس قبیلے کا پست رہنا اگر ناممکن نہ تھا تو نامناسب ضرور تھا ❖

بنی فاطمہؑ کا استحقاق وراثت ایسا نہ تھا کہ لوگوں کے خیال سے یا اُن کے دلوں سے نکل جائے (یہی سبب تھا کہ کل بنی ہاشم حضرت ابوبکر کے تقرر سے ناراض اور آزردہ ہوئے)۔ بنی اُمیہ کے استحقاق وراثت یا خلافت کا کوئی قائل ہی نہ تھا وہ ایسے بے سروپا ہوگئے تھے کہ اُن کے استحقاق کا ذکر بھی اُس وقت

نہ تھا اور وہ ایسے شکستہ حال تھے کہ اُن کو پست کر رکھنا نہایت ہی آسان تھا۔ مگر انتظام ایسا عمل میں آیا کہ بنی اُمیّہ جو ہمّت ہار چکے تھے۔ اُن کے دلوں میں اُمید پھر آئی اور وہ اپنا سامان درست کرنے لگے *

انجام اندیشی اِسی میں تھی کہ حضرت عؑلی کو پہلا خلیفہ تسلیم کیا جاتا اور کل قوت سلطنت کی بنی ہاشم کے ہاتھوں میں رہتی فائدہ یہ ہوتا کہ بنی اُمیّہ کی استعداد مقابلہ جو بالفعل موجود نہ تھی بالقوہ بھی زائل ہو جاتی۔ نفاق کا موقع نہ ملتا۔ قوم میں اتفاق رہتا۔ سلطنت اسلام کو استحکام ہوتا۔ مسند نبوّت پر یزید سا شخص قدم رکھنے کی جُرأت نہ کرتا۔ بنی اُمیّہ ہرگز کبھی سر نہ اُٹھاتے۔ اور اسلام میں وہ

خانہ جنگیاں جن کے سبب سے اسلام پولٹیکل تنزل میں ہے نہ ہوتیں *

ہمارے بعض دوست بلا سوچے سمجھے یہ اعتراض کر بیٹھتے ہیں کہ حضرت علیؑ جب (بعد حضرت عثمان کے) خلیفہ ہوئے تو اُس وقت کی بد انتظامیوں کو کب سنبھال سکے۔ جو یہ خیال کیا جائے کہ وہ پہلے خلیفہ ہوتے تو انتظام درست رہتا۔ لیکن بعینہٖ یہ ویسی ہی بات ہے کہ موسم بارش میں مطلقًا پانی نہ برسے۔ اور جاڑوں کی بارش سے فصل خریف کے پیدا نہ ہونے پر لوگ اعتراض کریں۔ کیا کسی بادشاہ کے فوت ہو جانے پر اگر اُس کا وارث وہاں موجود نہ ہو اور سلطنت پر کسی غیر کا قبضہ ہو جائے تو کہا جائیگا کہ عنان سلطنت

کے حاصل کرنے میں جو دقّتیں "وارث" کو اب ہونگی - وہ اُس وقت بھی ہوتیں جس وقت کہ بادشاہ کے فوت ہو جانے کے بعد ہی وُہ تخت نشین کر دیا جاتا؟ "ہرگز نہیں"۔

حضرت ابوبکر جس وقت خلیفہ کئے گئے اُس وقت عربوں میں اتفاق تھا اور سلطنت اسلام کا دسترخوان چُنا چُنایا تیّار اور حضرت علیؑ جب خلیفہ کئے گئے تو عربوں میں نفاق ہوگیا تھا- اور انتظامی گھڑی کا کوئی پُرزہ اپنی اصلی جگہ پر نہ تھا۔

اور اگر بفرض محال (جبراً قہراً) مان بھی لیا جائے کہ حضرت علیؑ میں انتظامی استعداد نہ تھی - تب بھی ہم زور کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ فقط علیؑ کی خلافت قبول کرنے ہی سے

خانہ جنگیوں کی ہوائے خزاں نہ چلتی اور اتفاق
کی بہار قائم رہتی۔ کیونکہ تاریخ دانوں پر واضح
ہے کہ جب کوئی بادشاہ نابالغ لڑکا چھوڑ کر
مر جاتا تھا اور اُس بادشاہ کے بعض عزیز و
قریب یا معاند و رقیب بغاوت پر مستعد ہو جاتے
تھے تو فقط اُس نابالغ لڑکے کو تخت پر بٹھا
دینے ہی سے ساری بغاوت فرو ہو جاتی تھی*
دُور کیوں جائیے۔ کل کی بات ہے۔ کہ دکن
کا ایک عظیم الشان والیِٔ ریاست فوت ہوُا تو
بعض پیچیدگیوں سے کائناتِ ریاست میں خطرناک
انقلاب کا سخت اندیشہ پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن دانشمند
وزیر کے مُدبّرانہ اور پولٹیکل اصول سے بھری
ہوئی قابلیّت نے صغیرالسن وارث ریاست کو
فوراً تخت پر بٹھا دیا۔ جس کے تخت نشین

ہوتے ہی ساری خوفناک سازشیں مفقود و مسلوب ہوگئیں ÷

کیا اُس وقت اُس صغیرالسّن رئیس میں بذاتہٖ کوئی انتظامی قوت موجود تھی۔"بالکل نہ تھی" ÷

لیکن بات یہ ہے کہ اگرچہ خود اُس وارث میں انتظامی قوت موجود نہ تھی۔مگر ہنوز انتظامی حالت میں کوئی فرق نہ آنے پایا تھا اور باغیوں کی خیالی حکمت عملی کا زہر ملک اور رعایا میں نہ پھیلنے پایا تھا ÷

پس اگر حضرت علیؑ انتظامی قابلیّت کے نہ ہوتے ہوئے بھی "بمقتضاے نیک نیّتی و وفاداری" خلیفہ تسلیم کرلئے جاتے تو اسلام کو اختلافات اور خانہ جنگیوں کا کسی طرح اندیشہ نہ ہوتا اور بنی امیہ کے قریب جنگ و جدال کی ہمّت کا

خیال بھی نہ آ سکتا +

مؤرّخین جانتے ہیں کہ جب پیغمبرؐ صاحب نے وفات پائی اُس وقت تک عرب میں نہ جمہوری تقرر کا زمانہ آیا تھا نہ اُس کا کوئی طریقہ موجود تھا اور اگر ہوتا بھی تو ہرگز ہرگز سلطنت اسلام کے لئے مناسب اور مفید نہ ہوتا ڈاکٹر سید احمد خاں نے ایشیائی طرز حکومت" کے عنوان سے جو مضمون علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ میں شائع کیا تھا اُس کے بعض مطالب (جنہیں میں نے نقل کر لیا تھا) آپ کو سناتا ہوں + سر سید لکھتے ہیں کہ۔

"شاید اس میں کسی کو اختلاف نہیں اور تاریخ بھی اسی کی شہادت دیتی ہے کہ ایشیا کے تمام ملکوں میں ہمیشہ حکومت

شخصیّہ ہوتی آئی ہے جس کو یُورپ کی زبان میں "مانرکی" (Monarchy) کہتے ہیں یعنی وہ حکومت جس میں حکومت کی اعلےٰ قوت ایک شخص کے ہاتھ میں ہو جس کو بادشاہ یا راجہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مگر یہ بات غور کے لائق ہے کہ جزیرۂ عرب میں بزمانۂ جاہلیّت (یعنی قبل اسلام کے) کیا طرز حکومت تھی اور اسلام نے اُس میں کچھ تبدیلی کی۔ اور اگر تبدیلی کی تو کیا طرز حکومت قرار دی۔ زمانۂ جاہلیت کی تاریخ بہت کم ملتی ہے۔ مگر جس قدر ملتی ہے اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں شیوخ یعنی سردارانِ قبائل کے ہاتھ میں ہر ایک قبیلہ کی حکومت ہوتی تھی جو شخص

بسبب دولت یا بسبب کسی صفت کے
تمام قبیلے میں اعلےٰ گنا جاتا تھا وہ ہی
اُس قبیلے پر حکومت کرتا تھا۔اور مجموع
شیوخ تمام قبائل کے جزیرۂ عرب پر
اسی طرح حکومت کرتے تھے۔صلح و جنگ۔
انفصال خصومات بالکلیہ اُنہیں شیوخ
کے ہاتھ میں تھا ایسی طرز حکومت کو
یورپ کی زبان میں "اُلی گارکی" (Oligarchy)
سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔جس میں اعلےٰ
قوتِ حکومت چند عالی رتبہ نام آور یا
امرا کے ہاتھ میں ہوتی تھی زمانۂ اسلام
میں آں حضرت صلعم کے وقت تک یہی
طرز حکومت قائم رہی تمام قبائل جزیرۂ
عرب کے اسلام لاچکے تھے اور عرب

کے قبائل میں جو جُدا جُدا شیوخ ہوتے تھے۔ اُن کا تعدُّد اسلام کے توحُّد نے مٹا دیا تھا اور صرف ایک ذات پاک آں حضرت صلعم کو کل قبائل نے اپنا شیخ اور پیغمبرؐ قبول کیا تھا اور اس لئے ضرور تھا کہ رسالت کے ساتھ جزیرۂ عرب کے کل قبائل کی حکومت بھی لازماً حسب دستور جزیرۂ عرب آں حضرتؐ سے از خود منضم ہو جاوے اور مثل ایک شہنشاہ یا شیخ الشیوخ کے ملکی و تمدنی امور کا انتظام بھی آں حضرت صلعم کے ہاتھ میں آئے ٭

یہاں تک جو طرز حکومت عرب کا بذریعۂ شیوخ کے زمانۂ جاہلیت میں تھا

اُس کے اصوٗل میں کچھ فرق نہیں آیا
تھا۔ بجز اس کے کہ جُدا جُدا قبیلوں کے
جو جُدا جُدا شیوخ تھے بسبب متحد ہو جانے
قبائل کے وہ تعدُّد معدوم ہوگیا اور ایک
ہی شیخ تمام قبائل کا ہو گیا۔ جس کے
ہاتھ میں کل جزیرۂ عرب کی حکمرانی تھی۔
بے شک اس طرح پر کل قبائل کا جو
مختلف مذاہب رکھتے تھے - اور اُن کی
آپس میں نسلاً بعد نسلٍ عداوتیں چلی آتی
تھیں متحد ہو جانا ایک کرشمۂ ربّانی تھا +
مگر بحث اس میں ہے کہ اسلام نے
کوئی طرزِ حکومت قرار دی - اور اگر قرار
دی تو اُس پر کیا عملدرآمد ہوُا - اس زمانے
کے تعلیم یافتہ جو بے سمجھے "ری پبلک" (Republic)

اصولوں کی طرف رُجحان رکھتے ہیں اور
مجھ کو کہنا چاہیئے کہ اس کے قریب قریب
اہل سنّت و جماعت کہتے ہیں کہ آں حضرتؐ
نے طرز حکومت انتخاب کے اصول پر
چھوڑی تھی "یعنی سب لوگ جس کو منتخب
کریں وہی حاکم یا امیر یا خلیفہ یا سلطان
قرار پاوے اور اعلےٰ قوت حکومت اُس
کے ہاتھ میں ہو جو رُہی پبلک کا اصول"
ہے۔ مگر اُس اصول کا اسلام سے متعلق
کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ کوئی ثبوت اس
کا نہیں ہے کہ آں حضرتؐ نے فرمایا ہو
کہ میرے بعد جس کو لوگ انتخاب کریں
وہ میرا جانشین ہو۔ اگر فرض کیا جائے کہ
آں حضرتؐ نے امر جانشینی کو بلا کسی

ہدایت کے چھوڑا تھا تو یہ کہا جائیگا کہ جانشینی کی نسبت کوئی ہدایت نہیں کی تھی نہ کسی کے استخلاف کی نہ انتخاب کی نہ جانشینی کی +

علاوہ اس کے "ری پبلک" کا اصول یہ ہے کہ کل لوگ "خواہ بذریعہ اپنے نائبوں" کے انتخاب میں شریک ہوں - مگر ایسا نہیں ہوا کیونکہ سقیفۂ بنی ساعدہ میں جو لوگ جمع تھے اور جہاں حضرت ابوبکر جانشین قرار دئے گئے وہ لوگ عام لوگوں کی طرف سے کسی جانشین کے مقرر کرنے کے مجاز نہیں ہوئے تھے نہ اُن کو لوگوں نے اپنا "ریپریزنٹیٹو" (Representative) مقرر کیا تھا اور اِس لئے لازم آتا ہے

کہ وہ انتخاب "رِی پبلک" اصول پر نہ تھا اور اسلام نے کوئی "رِی پبلک" طرزِ حکومت نہیں قرار دی تھی نہ اُس پر عملدرآمد ہُوا +

اہلِ سنت و جماعت بجائے "رِی پبلک" کے لفظ "اجماع اُمّت" استعمال کرتے ہیں اور حضرت ابوبکر کی خلافت باجماع اُمّت قرار دیتے ہیں۔ مگر کلام اس میں ہے کہ آیا اسلام نے یہ طرزِ حکومت قرار دی تھی یا نہیں اگر ہم تسلیم کریں کہ یہی طرزِ حکومت اسلام نے قرار دی تھی تو اس میں کئی مشکلیں پیش آتی ہیں۔ اوّل یہ کہ اجماع اُمّتِ کسی امر پر متحقق ہو ہی نہیں سکتا۔ دوم یہ کہ سقیفۂ بنی ساعدہ میں تمام وہ لوگ جن پر اہلِ حل و عقد کا اطلاق ہو سکے جمع

نہ تھے اور بعد جانشین ہو جانے کے
لوگوں کا اُن کی حکومت کو تسلیم کر لینا
اجماع مطلوبہ میں داخل نہیں ہوسکتا۔کیونکہ
بعد حاکم ہو جانے کے ہر ایک حاکم کی
حکومت تسلیم کر لیتے ہیں وہ تسلیم کر لینا
اجماع مطلوبہ میں داخل نہیں ہو سکتا +
سوم یہ کہ حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت
عمر کو اپنی اخیر زندگی میں اپنا خلیفہ اور
جانشین مقرر کیا اُن کی ولی عہدے
خلافت کا فرمان جاری کیا ۔پس اگر
خلافت اسلام نے انتخاب پر چھوڑی
ہوتی تو حضرت ابوبکر اپنا ولی عہد نہ مقرر
کرتے +

میرے "معزز مخاطب" بلاشبہ حالات مقتضیہ

پر نظر کر کے ہر اہل رائے اور "پالیٹیشین" (Politician)
دو بیّن نتیجے نکال سکتا ہے اولاً یہ کہ حضرت ابوبکر
کی خلافت نہ شخصی تھی نہ جمہوری - "اور جب
نہ شخصی تھی نہ جمہوری تو تیسری صفت سوا
خانہ ساز کے کیا ہو سکتی ہے"؟

ثانیاً یہ کہ سلطنت اسلام یعنی خلافتِ نبوت
شخصی ہی ہونی چاہیئے - "جیسا کہ ڈاکٹر سید احمد خاں
اسی مضمون کے آخر میں (جو میں ابھی آپ کو
سُنا چکا ہوں) لکھتے ہیں کہ

"ہماری دانست میں اگر ابتدا ہی سے
اصول حکومت فے النسل بطور اصول
"لمیٹڈ مانرکی" (Limited monarchy) کے
قائم ہوتا تو اتنا جلد زوال نہ آتا" *

فے الواقع تقرر بالانتخاب والاختیار" ہی کا یہ

نتیجہ ہؤا کہ سلطنتِ اسلام اور قوم اسلام ٹوٹ کر
دو مخالف ٹکڑے ہوگئے اور نفس مذہب اور
سلطنتِ اسلام میں جان پہچان ہی باقی نہ رہ گئی*
جس کے ہاتھ میں دینی اور مذہبی دولت تھی
وہ سلطنت اسلام سے علیحدہ رکھا گیا - "جیسے
حضرت علیؑ" - اور جس کے ہاتھ میں دولت سلطنت
تھی - اُس نے دین و مذہب سے کچھ سروکار
نہ رکھا - "جیسے یزید" - بخلاف اس کے اگر مذہبی
رفتار کے ساتھ سلطنت چلتی اور سلطنت کی
رفتار کے ساتھ مذہب رواں ہوتا تو نہ مذہب
میں اختلافات پیدا ہوتے نہ سلطنت اسلام پر
زوال آتا *

اب میں آپ سے معافی چاہتا ہوں کہ میں
نے آپ کی بہت سمع خراشی کی اور گو اپنے شفقتے

کو میں نے حتے الامکان روکا مگر پھر بھی
آپ کو زحمت ضرور ہوئی ہوگی +
وکیل صاحب - نہیں نہیں میری سمع خراشی
نہیں ہوئی آپ نے بہت ہی سچی اور پُر اثر
تقریر کی - لیکن مَیں نے مان بھی لیا کہ بلا شبہ
آپ کا خیال صیحح ہے تو نہ اس خیال سے اب
پچھلا زمانہ عَود کر سکتا ہے نہ خیالی شیر شاہ
اور سلیم شاہ کی ڈاڑھی بڑھ سکتی ہے - لہٰذا
میری دانست میں اس خیال کو چھوڑ ہی دیجیے
تا کہ اتفاق باہمی قائم رہے اور ہم اور آپ
ایک ہو کر رہیں +
ڈپٹی صاحب - اگر اتفاق باہمی کی یہی صورت
ہے تو آپ اپنا ہی خیال کیوں نہ چھوڑ دیجیے
اس طرح بھی ہم اور آپ ایک ہو کر

رہینگے +

یہ بڑے لطف کی بات ہے کہ ہمارے خیال کو آپ صحیح بھی کہتے ہیں اور اُس کو چھوڑ دینے کی بھی ہدایت کرتے ہیں اور خود اپنا خیالِ غلط نہیں چھوڑ دیتے +

وکیل صاحب - لیکن مجھ کو اپنے علماے مذہب سے اس بات میں تو کامل اتفاق ہے کہ نہ خلافت و امامت منصوص من اللہ تھی اور نہ خلفا معصوم تھے اور نہ پیغمبرؐ صاحب نے کسی کو اپنا جانشین قرار دیا اور نہ اعتقادِ امامیہ کے موافق اس مسئلے کو "لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کی طرح" اصول عقائد میں دخل ہے +

ڈپٹی صاحب - تو ہم بھی اس بات میں آپ سے متفق ہیں اور اقرار کرتے ہیں کہ

فی الواقع حضراتِ خلفاے ثلاثہ نہ رسولؐ کے استخلاف سے خلیفہ ہوئے نہ اُن کی خلافت منصوص من اللہ تھی اور نہ وہ معصوم تھے۔ ہم اُن کو ضرور مسلمان بادشاہ سمجھتے ہیں۔ پھر بتائیے تو سہی کہ ہم نے آپ کی کیا خطا کی اور آپ کے خیال کو ہمارے خیال نے کیا ضرر پہنچایا. جو آپ فرماتے ہیں کہ اپنا خیال چھوڑ دیجئے +

وکیل صاحب ۔ لیکن آپ تو حضرت علیؑ اور اُن کی اولاد میں سے گیارہ اماموں کو خلفاے منصوص من اللہ و من الرّسول سمجھتے ہیں اور اس مسئلے کو اصول دین سے شمار کرتے ہیں +

ڈپٹی صاحب ۔ پھر آپ کو اس سے بحث؟ آپ حضرت پیران پیر کو غوث اعظم جانیں تو ہمارا اجارہ؟ مسئلۂ امامت میں اگر ہماری سمجھ

کی غلطی ہے تو ہم اپنا نقصان کرتے ہیں یا
آپ کا ✣
وکیل صاحب۔ (مُسکرا کر) انصاف یہ ہے
کہ آپ کی مُدلّل تقریر نے ہر پہلو سے میرے
تمام اعتراضات کو اُٹھا دیا ✣
ڈپٹی صاحب۔ "خوب" آپ نے یہ فرمایا ہوتا
کہ تو نے اپنے مذہبی دلائل کو ثابت کر دیا تو
ایک بات بھی تھی ✣
وکیل صاحب۔ اگر میں یہ کہتا تو گویا تسلیم
کر لیتا کہ آپ نے میری مذہبی دلائل کا بُطلان
کر دیا ✣
ڈپٹی صاحب۔ تو اس میں ازروے انصاف
قباحت ہی کیا تھی ✣
وکیل صاحب۔ واہ حضرت۔ آخر حمیّتِ

مذہبی بھی تو کوئی چیز ہے۔ مگر ہاں آپ حمیّتِ مذہبی کو کیوں ممدوح سمجھینگے +

ڈپٹی صاحب۔ حمیّتِ مذہبی تو بڑی چیز ہے۔ لیکن حمیّتِ جاہلیّت البتہ بُری چیز ہے۔ حمیّتِ آخر الذکر ہی کا دوسرا نام تعصب ہے۔ اور تعصب وہ بلاے بد ہے کہ انسان کو ہمیشہ مفید اور حق بات کے قبول کرنے سے روکتا ہے (نوٹ بک دیکھکر) ڈاکٹر سر سید تہذیب الاخلاق کے سلسلۂ مضامین میں لکھتے ہیں کہ

"متعصب نادان دوست اپنے مذہب کا ہوتا ہے وہ سراسر اپنی نادانی سے اپنے مذہب کو نقصان پہنچاتا ہے۔ سب سے مقدم اور سب سے ضروری امر اس کام کے لئے یہ ہے کہ ہم اپنے دل کو تعصبات

سے اور اُن تاریک خیالوں سے جو انسان
کو سچّی بات کے سُننے اور کرنے سے
روکتے ہیں۔خالی کریں اور اُس دلی نیکی
سے جو خداے تعالےٰ نے انسان کے دل
میں رکھی ہے۔ہر ایک بات کی بھلائی
یا بُرائی دریافت کرنے پر متوجہ ہوں۔
مذہب میں متعصب شخص دوسروں کے
اعتراضوں کو جو اُس کے مذہب پر ہیں
سُننا یا مشہور ہونا پسند نہیں کرتا اور
اسی سبب سے ضمناً وہ اس بات کا باعث
ہوتا ہے کہ مخالفوں کے اعتراض بلاتحقیقات
کئے اور بلا جواب دئے باقی رہ جائیں وہ
اپنی نادانی سے تمام دنیا پر گویا یہ بات
ظاہر کرتا ہے کہ اُس کے مذہب کو مخالفوں

کے اعتراضوں سے نہایت اندیشہ اور
اُس کے برہم ہو جانے کا خوف ہے *
متعصب اگر کسی غلطی میں پڑتا ہے تو
اپنے تعصب کے سبب اُس غلطی سے نکل
نہیں سکتا - کیونکہ اُس کا تعصب اُس کے
برخلاف بات کے سننے اور سمجھنے اور اس
پر غور کرنے کی اجازت نہیں دیتا *
معاف فرمائیگا - اگر آپ کے تعصب نے آپ
کو انصاف اور حق پسندی سے علحدہ نہ کر دیا
ہوتا تو آپ ہرگز یہ نہ فرماتے کہ "آخر حمیّت مذہبی
بھی تو کوئی چیز ہے" *

وکیل صاحب - خیر اب اس بحث کو جانے
دیجئے - کیونکہ مذہبی مباحثے تہذیب اخلاق کو ضرر
پہنچاتے ہیں اور موجودہ زمانے کی ترقی سے

انسان کو باز رکھتے ہیں ٭

ڈپٹی صاحب-تو شاید آپ مذہب کو تہذیب اخلاق کا مخالف سمجھتے ہیں-مگر میرے خیال میں خود مذہب انسان کو تہذیب اخلاق سکھاتا ہے- کیونکہ جب "تہذیب اخلاق" کی علّتِ غائی یہی ہے کہ اُس کے ذریعے سے انسان اپنی معاش اور معاد کی اصلاح کرسکے تو گویا مذہب متن ٹھیرا اور تہذیب اخلاق اُس کی شرح ہوئی ٭

عَرب کے زمانۂ جاہلیّت کی ہَوا کو اسی مذہب نے تہذیب اخلاق کے رُخ پر بدل دیا تھا یا کسی اور چیز نے بدوؤں کی وحشیانہ خصلتیں اسی مذہب نے دور کر دی تھیں یا کسی اور چیز نے ؟

ہم کو اور آپ کو تہذیب اخلاق کا مدعی

اسی مذہب نے بنایا یا کسی اور چیز نے ؟
کیا قرآن ”جس نے مذہب اسلام کا سبق پڑھایا“ تہذیب اخلاق کی روح نہیں ہے ؟
اور پھر آپ فرماتے ہیں کہ مذہبی مباحث تہذیب اخلاق کو ضرر پہنچاتے ہیں اور موجودہ زمانے کی ترقی سے انسان کو باز رکھتے ہیں +
ذرا سوچئے تو کہ اِس زمانے کے ابن مسکویہ ثانی اور حکیم لاثانی ڈاکٹر سید احمد خاں نے اپنے اکثر تصنیفات اور تالیفات میں جو عام علماے اسلام سے مخالفانہ بحث کی ہے تو کیا آپ اُس سے یہ نتیجہ نکالینگے کہ اُنھوں نے تہذیب اخلاق کو ضرر پہنچایا ہے اور موجودہ زمانے کی ترقی سے ہم کو باز رکھنے کی کوشش کی ہے ؟
میں تو اس کو ہرگز تسلیم نہ کرونگا۔بلکہ میرے

نزدیک اس قسم کے تمام مباحث سے اُن کا
اصلی مقصود یہی تھا کہ مذہبی اور قومی اخلاق
درست ہوں۔ عام اس سے کہ اُنھوں نے اپنی
کسی رائے میں غلطی کی ہو (جس سے کوئی
عالم یا مصنف مستثنےٰ نہیں ہو سکتا) اور عام
اس سے کہ مذہبی یا قومی جماعت اُن کے مقاصد
کو قابل قبول سمجھے یا نہ سمجھے۔ ہاں جو بحث
بے محل اور بے سر و پا ہوتی ہے۔ وہ
بے شک نا پسندیدہ سمجھی جاتی ہے۔ لیکن موقع
کے ساتھ ضروری بحث اور گفتگو کرنے سے
"تبادلۂ خیالات" ہوتا ہے اور تبادلۂ خیالات ہی
ایک ایسی شے ہے کہ جس کے ذریعے سے
انسان اچھائی اور بُرائی میں امتیاز حاصل
کرتا ہے ✤

"پارلیمنٹ - کونسل - انجمنیں - کمیٹیاں - کانگرس - کانفرنس - ندوہ" - کس غرض سے منعقد ہوتی ہیں؟

اسی غرض سے کہ کسی اہم مسئلے پر بحث کی جائے غیر قوموں اور غیر ملکوں کے طرز تمدّن کی تاریخیں کس لئے دیکھی جاتی ہیں - اسی لئے کہ تبادلۂ خیالات کے فوائد حاصل ہوں - (نوٹ بک دیکھ کر) سرسید تہذیب الاخلاق میں فرماتے ہیں کہ

"دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس نے خود ہی تمام کمالات اور تمام خوبیاں حاصل کی ہوں - بلکہ ہمیشہ ایک قوم نے دوسری قوم سے فائدہ اُٹھایا ہے - مگر متعصب شخص ان نعمتوں سے بد نصیب

رہتا ہے“ ؞

آب رہی یہ بات ”کہ بحث کا عنوان اور تقریر
کا پہلو شایستہ ہو“ اس سے کسی عقل کے دشمن
ہی کو انکار ہو تو ہو عقل والا کیونکر انکار کرسکتا ہے؞
”حاصل کلام“ جب عام مقاصد پر بحث اور
گفتگو کی ضرورت مان لی جائے تو مذہب کے لئے
بحث کو اشد ضروری سمجھنا چاہیئے - ”کیونکہ مذہب“
تہذیب اخلاق کے دائرے کا مرکز ہے اور
اسی وجہ سے سوشل - مارل - پولٹیکل - یا کسی قسم
کی بحث جب تک مذہبی جذبات کے ساتھ
نہ پیش کی جائے کبھی اثر پذیر نہیں ہوتی +
وکیل صاحب - سبحان اللہ آپ کے مقناطیسی
بیان نے تو میرے قلب و دماغ میں برقی
روشنی کر دی - اور چشم بصیرت کو تمام مباحث

کاٹے شدہ منظر دکھلا دیا +
میں بلا تصنع کہتا ہوں کہ جملہ امور میرے
ذہن نشین ہوگئے اور میں نے سب باتوں کو
اچھی طرح سے سمجھ لیا۔ "فجزاکم اللہ فی الدارین"
لے آئیے اب کھانا کھائیں +
ڈپٹی صاحب ۔آئیے پہلے بغل گیر ہولیں
پھر کھانا بھی کھا لینگے +
راوی ۔"بندہ رخصت مے شود اللہ نگہبان
شماست" +
وکیل صاحب ۔ یہ نہیں ہوسکتا۔کھانا کھائیے
اور یہیں آرام فرمائیے۔ رات بہت گئی ہے
صبح کو جائیےگا +
راوی ۔"بسرو چشم" +
قریب ایک بجے کے ہم لوگ کھانے سے

فارغ ہوئے - دونو صاحب اپنی اپنی خوابگاہ میں تشریف لے گئے - مَیں اپنے کمرے میں (جو میرے سونے کو تجویز ہؤا تھا) جا کر پلنگ پر لیٹا اور لیٹتے ہی خیال ہؤا کہ اگر اسی وقت مباحثے کا سارا مسودہ صاف ہو جاتا تو اچھّا تھا - یہ سوچ کر میں پھر اُٹھا اور قلمدان منگواکر لیمپ کے قریب جا بیٹھا - لکھنا شروع کیا تو پانچ بجے تک کل مسودہ لکھ ڈالا ؛

وضو کرکے نماز صُبح پڑھی اور حقہ پینے لگا - تھوڑی دیر میں یکے بعد دیگرے وکیل صاحب اور ڈپٹی صاحب بھی برآمد ہوئے - میں نے اپنی کارگزاری کا دفتر تمام و کمال اُن کو سُنایا - دونوں صاحبوں نے متوجہ ہوکر سُنا اور جہاں کہیں اس میں غلطی پائی سقم

پایا اُس کی صحت فرما دی +
مَیں رخصت ہو کر گھر آیا اور اب اُس مکالمے کو چھپوا کر حضراتِ ناظرین کے حضور میں پیش کرتا ہوں +

الراقـــــــم

اکرام عظیم (راوی)

۱)(۱۸۱)(۸